سچ سچ

مائل خیرآبادی

بوڑھا باغبان

امیر زادہ اس لڑکے کو کہتے ہیں جو کسی امیر یا مال دار آدمی کا بیٹا ہوتا ہے۔ مال داراور امیروں کے لڑکے زیادہ تر بڑے گھمنڈی ہو جاتے ہیں۔ گھمنڈ میں جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں۔ جو زبان پر آتا ہے بک جاتے ہیں۔ ذرا بھی نہیں سوچتے کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط۔ پھر ان کا غرور اور گھمنڈ تو دیکھو۔ چاہتے یہ ہیں کہ غلط سلط جو کچھ وہ کہہ دیں، لوگ مان بھی لیں۔

ایسے ہی ایک امیر زادے کا قصہ ہے۔ ایک بار وہ ایک گاؤں کی طرف جا نکلا۔ دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی باغ میں پودے لگا رہا ہے۔ امیر زادہ بوڑھے سے یوں بات کرنے لگا۔

امیر زادہ: ''بڑے میاں یہ پودے کیوں لگا رہے ہو؟''

بوڑھا: ''میں یہ پودے اس لئے لگا تا ہوں کہ اس کے پھل کھاؤں۔''

امیر زادہ: ''تم تو بہت بوڑھے ہو۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہو۔ مرنے کے دن قریب ہیں۔ پھل تو بہت دنوں میں آئیں گے۔ آج مرے کل دوسرا

دن۔"

بوڑھا: "تو دوسرے لوگ ان کا پھل کھائیں گے۔ جیسے میں نے دوسروں کے لگائے ہوئے پودوں کے پھل کھائے۔"

امیرزادہ: "یہ تو تم بے کار کی محنت کرتے ہو۔"

بوڑھا: "بھیا! یہ بے کار کی محنت نہیں ہے۔ دنیا کا کاروبار اسی طرح چلتا ہے اور پھر موت کا وقت کسی کو کیا معلوم؟"

امیرزادہ: "بے کار محنت تو ہے ہی۔ ان پودوں میں پھل آنے تک تم زندہ ہی نہیں رہ سکتے۔"

بوڑھا: "یہ بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کو منظور ہو تو میں بھی ان پودوں کے پھل کھا سکتا ہوں۔"

امیرزادہ: "اگر تم ان پودوں میں پھل آنے تک زندہ رہو تو خدا کی قسم! میں پھل کھانا چھوڑ دوں گا۔"

بوڑھا: "میاں! جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں اُن کو نہ کھانے کے لئے قسم نہیں کھانا چاہئے۔"

امیرزادے نے گھمنڈ کے مارے یہ سنا ہی نہیں اور چلا گیا۔ کئی برس کے بعد وہ پھر اس باغ کی طرف جانکلا۔ وہ بوڑھا ابھی تک زندہ تھا۔ پودے بڑھ کر

پیڑ ہو چکے تھے۔ پیڑوں میں پھل آ چکے تھے۔ امیرزادے کو دیکھا تو بوڑھے نے جھٹ دس پانچ پھل توڑے اور امیرزادے کے سامنے پیش کئے۔ وہ بہت خوش ہوا۔ لیکن اس نے اسے پہچانا نہیں۔ بولا:

امیرزادہ: ''بڑے میاں تم کون ہو؟ اور یہ باغ کس کا ہے؟''

بوڑھا: ''یہ باغ میرا ہے اور میں وہی بوڑھا ہوں جس کے بارے میں تم نے کہا تھا کہ آج مرے کل دوسرا دن۔''

امیرزادہ: ''ایں! تم وہی ہو اور ابھی تک زندہ ہو۔''

بوڑھا: ''ہاں بھیا! موت اور زندگی اللہ کے بس میں ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ موت کب آئے گی؟''

امیرزادہ: ''ٹھیک ہے، بات میری سمجھ میں آ گئی۔''

یہ کہہ کر امیرزادے نے پھل کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن بوڑھے نے اس سے کہا:

''پہلے آپ اپنی قسم کا کفّارہ ادا کریں اس کے بعد پھل کھائیں۔''

امیرزادے نے پوچھا:

''کیسی قسم اور کیسا کفّارہ؟''

بوڑھا باغبان بولا:

"آپ نے قسم کھائی تھی کہ اگر ان پودوں میں پھل آنے تک تم (یہ آپ نے میرے بارے میں کہا تھا) زندہ رہے تو خدا کی قسم! پھل کھانا چھوڑ دوں گا۔"

امیر زادے کو یاد آ گیا۔ وہ بہت شرمندہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے اسی جگہ کھڑے کھڑے ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد پھل کھائے اور گھر لوٹ گیا۔

امیر زادے کو بوڑھے سے بڑی نصیحت ملی۔ پھر اس نے دل میں ٹھان لیا کہ بلا ضرورت قسم نہیں کھاؤں گا۔



موت کا ڈر

ایک رئیس تھا۔ رئیس کام دھام تو کرتے نہیں۔ بس بیٹھے بیٹھے کھانا اور مزے اڑانا۔ زیادہ پڑھے لکھے بھی نہیں ہوتے۔ دین کی باتیں بھی نہیں جانتے۔ باپ دادا کی اکٹھی کی ہوئی دولت کی بدولت اچھے کپڑے پہننا، اچھا کھانا کھانا، اور کھیل تماشے دیکھنا یہی ان کا دن رات کا کام ہوتا ہے۔ نہ اللہ میاں کا ڈر، نہ

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال اور نہ آخرت کا دھیان۔ ایسے لوگ موت سے بہت ڈرتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ سب مزے کہاں؟

تو بس وہ رئیس بھی موت کے نام سے کانپتا تھا۔ اس نے اپنے نوکر چاکر اور گھر والوں کو حکم دے رکھا تھا کہ کوئی اس کے سامنے موت کا نام نہ لے۔ بلکہ جب کبھی کسی کے مرنے کی خبر سنانا ہو تو کہا جائے کہ ''پیدا ہو گیا''

اب سنئے، ایک بار رئیس کا ایک دوست اس کے گھر آیا ہوا تھا۔ رئیس اپنے دوست سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک نوکر روتا ہوا آیا۔ اور کہا۔ ''حضور! اوں، اوں، اوں، اوں، تین دن کی چھٹی دے دیجئے۔ رئیس نے کہا۔ ''کیوں کیا کام ہے؟'' نوکر نے بتایا۔ ''حضور! اوں، اوں، میرا باپ ''پیدا ہو گیا ہے۔'' رئیس تو سمجھ گیا۔ مگر اس کا دوست بہت حیران ہوا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس کا باپ پیدا ہو گیا ہے؟ دوست نے نوکر سے پوچھا۔ ''ارے ارے بھائی، کیا ہوا؟'' نوکر نے روتے ہوئے پھر کہا۔ ''ہائے سرکار میرا باپ پیدا ہو گیا۔''

یہ سن کر رئیس کا دوست مسکرایا۔ اس نے سوچا شاید نوکر پاگل ہو گیا ہے۔ دوسرے نوکر کو بلا کر پوچھا۔ ''ارے بھئی! یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' دوسرے نوکر نے جواب دیا۔ ''صاحب یہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ اس بے چارے کا باپ صبح پیدا ہوا گیا ہے۔''

اب تو رئیس کا دوست ہر ایک کا منہ تکنے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ نوکر کا باپ اب پیدا ہوا ہے۔ اور نوکر باپ سے پہلے پیدا ہوا۔ آخر یہ کیا بات ہے؟ اس نے نوکر سے پوچھا۔ ''ارے تیری ماں بھی پیدا ہوئی یا نہیں؟ نوکر نے جواب دیا۔ ''اس کو تو پیدا ہوئے کئی برس ہو گئے۔''

اب تو رئیس کا دوست اپنی ہنسی روک نہ سکا۔ پوچھا۔ ''ارے تو بھی پیدا ہوا یا نہیں؟ نوکر نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہی حال رہا تو میں بھی پیدا ہو جاؤں گا۔ آخر سب کو ایک دن پیدا ہی ہونا ہے۔''

اب رئیس کے دوست نے سوچا۔ ہو نہ ہو اس میں کوئی بھید ہے۔ نوکروں کو ہٹا دیا۔ پھر رئیس سے کہا۔ ''بھئی! سچ بتاؤ یہ کیا بات ہے؟'' رئیس نے جواب دیا۔ ''اصل بات یہ ہے کہ میں موت کے نام سے ڈرتا ہوں۔ اس کی جگہ ''پیدا ہو گیا'' سب کہا کریں۔''

''اچھا یہ بھید ہے۔'' دوست مسکرا کر بولا۔ ''تو کیا موت سے بچ سکتے ہو؟ بھئی! میں تو موت سے نہیں ڈرتا۔ وہ تو آ کر رہے گی۔ ڈرنے سے ہوتا کیا ہے۔ اور بھئی موت سے تو وہ ڈرے جو اس زندگی میں جان بوجھ کر اللہ کی ناخوشی کے کام کرتا ہو۔ ایسے آدمی کے لئے مرنے کے بعد دکھ ہی دکھ ہے۔ مجھے تو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ مجھ پر رحم کرے گا اور میری غلطیوں کو معاف فرمائے

گا۔اور مجھے اپنی رحمت سے جنت میں جگہ دے گا۔"

رئیس یہ سن کر سوچنے لگا کہ موت سے ڈرنے سے کام نہیں چلے گا۔ اللہ میاں کو خوش کر کے جنت حاصل کرنا چاہئے۔



انشاءاللہ

کھیتی پک کر تیار کھڑی تھی۔ سارے کسان اپنے گھر والوں کی مدد سے کھیتی کاٹ رہے تھے۔ کھلیان میں پہنچا رہے تھے۔ بالیوں سے اناج نکال رہے تھے۔ لیکن خیرو بے چارہ اکیلا تھا۔ اس کے گھر میں دو آدمی تھے تو۔ مگر وہ دونوں بہت بڈّھے تھے۔ ایک تو خیرو کا باپ، دوسری اس کی ماں۔ بوڑھے ہونے سے دونوں کمزور تو تھے ہی۔ پھر بیمار بھی رہتے تھے۔ خیرو پریشان تھا۔ اکیلا کیا کرتا۔

ایک دن ماں باپ نے کہا بھی۔ "بیٹا خیرو! کھیتی تیار کھڑی ہے۔ اُسے کاٹ کر رکھ لو نہیں تو بالیوں سے دانے جھڑ جائیں گے۔" جواب دیا۔ "میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ دو چار آدمی ساتھ دینے کو مل جائیں۔ بس سب کاٹ وں۔ کل کچھ لوگوں نے ہاتھ بٹانے کا وعدہ بھی کیا ہے۔"

یہ جواب سن کر ماں باپ بولے۔ ''بیٹا! یاد رکھو تم کل کھیتی نہ کاٹ سکو گے۔'' خیرو نے کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے دن چپکے سے چلا گیا۔ شام کو جب گھر لوٹا تو ماں باپ نے پوچھا۔ ''بیٹا! کھیتی کاٹی؟'' جواب دیا۔ ''آج تو کوئی نہیں آیا۔ کل کا وعدہ کیا ہے۔ کل ضرور کھیت کاٹ لوں گا۔''

یہ سن کر بوڑھے ماں باپ نے کہا۔ ''یاد رکھنا بیٹا! تم کل بھی نہ کاٹ سکو گے۔'' خیرو چپ رہا۔ دوسرے دن گھر سے پھر چلا گیا۔ شام کو لوٹا تو ماں باپ نے پھر پوچھا۔ ''کیا کھیتی کاٹ لی؟'' جواب دیا۔ ''آج بھی کوئی نہ آ سکا۔ آج میں نے اللو ملو سے پکّا وعدہ لے لیا ہے، وہ کل ضرور آئیں گے۔ کل کھیتی کاٹ لوں گا۔''

بوڑھے ماں باپ خیرو کی یہ بات سن کر بولے۔ ''بیٹا! تم کل بھی نہ کاٹ سکو گے۔'' خیرو چپ رہا۔ دوسرے دن جب وہ اللو ملو کے پاس گیا تو دونوں نے کہا۔ ''آج مکھیا کے کھیت کاٹنے ہیں۔ اس نے بلایا ہے۔ بھائی کیا کریں، مجبوری ہے۔ خیرو پھر گھر لوٹ آیا۔ ماں باپ نے پوچھا تو کہا۔ ''اب میں دوسروں سے کہتے کہتے پریشان ہو گیا ہوں۔ اب میں انشاء اللہ کل اکیلا ہی جٹوں گا۔ بوڑھے ماں باپ نے یہ سن کر کہا۔ ''ہمیں یقین ہے کہ کل تم ضرور کھیتی کاٹ لو گے۔''

بوڑھے ماں باپ کی زبان سے یہ سنا تو خیرو بولا۔ ''جب تمام لوگ میری مدد کا وعدہ کرتے تھے۔ تب تو آپ کہتے تھے کہ نہ کاٹ سکو گے۔ اب جب میں اکیلا تیار ہوا ہوں تو آپ کہتے ہیں۔ '' کل کھیتی کٹ جائے گی۔ یہ کیا بات ہے؟ ماں باپ نے جواب دیا۔ ''بیٹا! بات یہ ہے کہ کل تک تم کو دوسروں پر بھروسہ تھا۔ اب تم نے خود ہمّت کی ہے۔ پھر آج تم نے انشاءاللہ بھی تو کہہ لیا ہے۔ اللہ کی مدد کے بھروسے پر جو ارادہ کیا جاتا ہے۔ وہ ضرور پورا ہوتا ہے۔''

یہ سن کر خیرو چپ رہا۔ دوسرے دن اس نے اکیلے ہی کھیتی کاٹ لی۔



کانا کلوا

کلوا دھوبی کو پہلے پہل میں نے اس کی ماں کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس کی ماں میرے گھر کی دھوبن تھی۔ ایک بار کلوا دھوبی اپنی ماں کے ساتھ میرے گھر آیا۔ یہ اتنا کالا کلوٹا کہ میں کیا کہوں؟ اور بھئی وہ کالا ہی نہیں۔ کانا بھی تھا۔ کانا اور کالا کلوٹا مجھے اچھا نہیں لگا۔ اس کی شکل وصورت مجھے بڑی ڈراؤنی لگی۔ اسے دیکھتے ہی امی جان کے پاس جا بیٹھا اور جب تک کانا کلوا میرے گھر رہا، میں

امی جان کے کولھے سے لگا بیٹھا رہا۔ دھوبن نے میلے کپڑے سمیٹے، کلوا کے سر پر کپڑوں کی گٹھری رکھی اور چلی گئی۔ تب میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

امی جان میری اس بات کو تاڑ گئیں۔ کلوا کے جاتے ہی بولیں۔ ''بیٹا! اس وقت میرے کولھے سے لگ کر کیوں بیٹھ گئے تھے؟'' میں نے جواب دیا۔ ''امی جان! وہ کیسا کالا کلوٹا اور کانا ہے۔ اسے گھر میں مت آنے دیا کیجئے۔ مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔'' اس کے ساتھ نہ جانے میں کیا کیا کہہ گیا۔ جب میں چپ ہوا تو امی جان نے مجھے نصیحت کی کہ ''بیٹا! اچھی اور بُری صورتیں سب اللہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ رنگ وروپ بھی وہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو گورا چٹّا اور خوب صورت بنایا، کلوا کو کالا کلوٹا اور کانا بنایا۔ یہ سب اللہ کے بھید ہیں۔ اللہ کے بھید کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن بیٹا کسی کی شکل وصورت دیکھ کر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ لڑکا خراب ہے۔ تمہاری یہ بات ٹھیک نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کلوا کی عادتیں تمہاری عادتوں سے اچھی ہوں۔''

اس طرح امی جان نے مجھے بہت کچھ سمجھایا۔ لیکن میرے دل میں کلوا کے بارے میں ایک بات بیٹھ گئی تھی۔ ''وہ ضرور خراب لڑکا ہوگا۔' یہ بات میرے دل سے نہ گئی۔

اب سنئے۔ اس کے بعد جب کلوا کو میں دیکھتا، منہ پھیر لیتا۔ وہ مجھے سلام

کرتا، بھیّا کہتا۔ مگر میں جواب نہ دیتا اور اس سے دور ہٹ جاتا۔

کوئی آٹھویں یا نویں دن کی بات ہے۔ امی جان نے مجھے ایک روپیہ دیا۔ رومال میں باندھ دیا، اور کہا۔ ''جاؤ بازار سے سیر بھر نمک لے آؤ اور دیکھو دکان دار جو پیسے واپس کرے، انھیں اسی رومال میں باندھ لینا۔ کہیں پھینک پھانک نہ دینا۔''

میں سامان لینے بازار گیا۔ ایک دکان سے سامان لے رہا تھا کہ وہیں کلوا آ گیا۔ کانے کلوے کے آنے سے میں گھبرانے لگا۔ اس نے سلام کیا۔ میرے دل نے کہا۔ ''آج کلوا مجھ سے پیسے ضرور چھین لے گا۔'' اب مجھے دکان پر اُلجھن ہونے لگی۔ میں نمک لئے بغیر کیسے واپس ہوتا۔ پھر دکان دار نے جیسے ہی نمک دیا۔ میں لے کر دکان سے بھاگا۔ تھوڑی دور چل کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے پکارا:

''سلیم بھیّا! ذرا رکو تو!'' مگر میں یہ سنتے ہی زور سے بھاگا۔ میرے بھاگنے سے وہ بھی میرے پیچھے دوڑا۔ اور راستہ بھر پکارتا رہا۔

میں ہانپتا کانپتا گھر پہنچا۔ دروازے پر قدم رکھتے ہی امی جان کو پکارا۔ وہ بے چاری کیا جانیں۔ دوڑیں اور پوچھا۔ ''کیا ہوا؟'' میں نے کہا۔ ''آج کانا کلوا میرا پیچھا کئے ہوئے ہے۔ وہ تو سچ مچ بڑا خراب لڑکا ہے۔ میں بڑی مشکل

سے بچ کر آیا ہوں۔ وہ دیکھئے اس طرف آ رہا ہے۔''

امی جان نے کھڑکی سے دیکھا، کلوا سچ مچ بڑھا چلا آ رہا تھا۔ امی جان نے کہا۔ ''اچھا آنے دو، اگر شرارت کرے گا تو سزا دوں گی۔ تم نہ گھبراؤ۔'' اس کے بعد امی جان نے مجھ سے نمک لیا، اور باقی پیسے مانگے۔ باقی پیسے مانگنے پر میں ہکّا بکّا رہ گیا۔ ''باقی پیسے تو رومال میں بندھے کے بندھے میں دکان ہی پر چھوڑ آیا امی!'' میری زبان سے نکلا، اور میں آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ امی جان نے کہا۔ ''اچھا جاؤ جلدی، اور جا کر دیکھو، شاید مل جائے۔'' میں نے جواب دیا ''اور وہ جو کلوا آ رہا ہے۔''

میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ کلوا گھر میں داخل ہو گیا، اور امی جان سے بولا۔ ''سلیم میاں دکان دار کے یہاں رومال میں بندھے یہ پیسے بھول کر چلے آئے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے اٹھا لئے۔ پھر سلیم میاں کو بہت پکارا۔ پر یہ رکے ہی نہیں۔ یہ لیجئے اپنے پیسے۔'' یہ کہہ کر کلوا نے رومال اور پیسے دے دیئے۔ اب امی جان نے مجھے دیکھا۔ میں چپ کھڑا کلوا کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت مجھے ایسا لگا کہ کانا کلوا بڑا خوب صورت لڑکا ہے۔ اس دن سے اس کی شکل وصورت اور اس کا رنگ وروپ مجھے بڑا پیارا لگنے لگا۔

☆☆☆

بانو

امی جان پکارتی ہی رہیں۔ مگر بانو کھیل کی دھن میں یہ جا وہ جا۔ گھر سے نکل کر وہ کھلاڑی بچوں کو تلاش کرنے لگی۔ تلاش کرتے کرتے وہ پھلواری میں گھس گئی۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک پھول پر بی پھول پری بیٹھی ہیں۔ بی پھول پری کو وہ پہلے سے جانتی تھی۔ اسے ان کے نیلے پیلے اور ہرے پھول دار کپڑے بڑے اچھے لگے۔ اس نے سوچا۔ پھول پری اس وقت کچھ کر تو نہیں رہی ہیں۔ بے کار بیٹھی ہیں۔ چلو ان کے ساتھ چل کر کھیلوں۔

یہ سوچ کر بانو پھول پری کی طرف بڑھی۔ پاس پہنچی تو پھول پری نے دیکھ لیا۔ دیکھ لیا تو پھول پری پھُر سے اڑیں۔ ایک دوسرے پھول پر جا بیٹھیں۔ پھول پری کا اس طرح اڑنا اسے بڑا اچھا لگا۔ وہ پھر ان کی طرف بڑھی۔ اب کی بانو دور ہی سے بولی۔ ''بی پھول پری! تم اس وقت کسی کام میں تو ہو نہیں۔ آؤ ہم تم کھیلیں، تم ڈرتی کیوں ہو، منّے کی طرح میں تم کو پکڑوں گی نہیں۔ بس کھیلوں گی تمھارے ساتھ۔ تمھارے کپڑے کیسے اچھے ہیں۔ رنگ پھول دار۔''

''بانو بی! اللہ میاں نے مجھے بے کار رہنے کے لئے نہیں پیدا کیا۔ میں پھول برادری کی ڈاکیہ ہوں۔ انھیں ایک دوسرے کی خبریں پہنچاتی ہوں۔ اور

میرے ذریعہ جو چیز وہ اپنی برادری کو بھیجنا چاہتے ہیں، لے جا کر دیتی ہوں۔ میرے ذمّے اللہ میاں نے یہی کام کیا ہے۔ کیا تمہارے ذمّہ اللہ میاں نے کوئی کام نہیں کیا۔ اللہ میاں نے تم کو بے کار تو نہیں پیدا کیا۔ کوئی نہ کوئی کام تمہارے لئے ضرور ہوگا۔ پر تم جانتی نہیں۔ جاؤ اپنی امی سے پوچھو۔"

یہ کہہ کر بی پھول پری پھُر سے اُڑ گئیں۔ اور ایک پھول سے دوسرے پھول اور دوسرے پھول سے تیسرے پھول کے پاس جا جا کر کچھ چپکے سے کہتی سنتی رہیں۔ کسی کو کچھ دیا۔ اور کسی سے کچھ لیا۔ بانو دیر تک پھول پری کو دیکھتی رہی۔ اس سے ناامید ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ سوچا، شاید کوئی اور بے کار بیٹھا ملے تو اسے گھیروں اور اس کے ساتھ کھیلوں۔

یہ سوچ کر بانو آگے بڑھی تو اس نے بی پھُر پھُر کو دیکھا۔ بی پھُر پھُر ایک جگہ بیٹھی مڑ مڑ کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔ اور چوں چوں چوں چوں کر رہی تھیں۔ بانو سمجھی کہ بی پھُر پھُر کسی کو کھیلنے کے لئے پکار رہی ہیں۔ بانو یہ سمجھ کر بڑی خوش ہوئی۔ وہ جھٹ بی پھُر پھُر کی طرف بڑھی۔ لیکن یہ کیا؟ وہ جیسے ہی بی پھُر پھُر کے قریب پہنچی۔ بی پھُر پھُر اپنی چونچ میں ایک تنکا دبا کر اُڑ گئیں اور پھلواری کے پاس ایک مکان میں گھس گئیں۔ تنکا وہیں کہیں رکھ کر آئیں اور پھر آ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں، اور چوں چوں کرنے لگیں۔

بی پھُر پھُر کی یہ حرکت دیکھی تو بانو نے دور ہی سے پکارا۔

''بی پھُر پھُر! تم اس وقت کسی کام میں تو ہو نہیں۔ یوں ہی اِدھر اُدھر اڑتی پھرتی ہو۔ آؤ ہم تم کھیلیں۔ تم ڈرو نہیں۔ منّے کی طرح میں تم کو پریشان نہیں کروں گی۔ اور نہ تمھیں ماروں گی۔ بس کھیلوں گی تمہارے ساتھ، تم کیسی ننھی منّی اور اچھی لگتی ہو؟''

''بانو بی! اللہ میاں نے مجھے بے کار اڑنے پھرنے کے لئے نہیں پیدا کیا۔ میں دن بھر کام کرتی ہوں۔ میں اللہ کے حکم سے انڈے دیتی ہوں۔ پھر انھیں سیتی ہوں۔ انڈوں سے بچے نکلتے ہیں۔ انھیں دانہ دُنکا لاکر چگاتی ہوں۔ انھیں پالتی ہوں۔ جب وہ بڑے ہوتے ہیں اور ان کے پَر نکل آتے ہیں تو انھیں اڑنا سکھاتی ہوں۔ اس کے بعد پھر انڈے دیتی ہوں۔ دیکھو! تین چار دن میں انڈے دوں گی۔ انڈے رکھنے کے لئے منّا سا گھونسلا بناتی ہوں۔ اس وقت میں گھونسلا بنانے کی فکر میں ہوں۔ تم نے دیکھا نہیں۔ میں ابھی ایک تنکا لے کر اڑی تھی۔ اس سامنے والے مکان کی چھت میں گھونسلا بنا رہی ہوں۔ گھونسلا بنانے کی ترکیب، انڈا سینے کی ترکیب، مجھے اللہ میاں نے بتا دی ہے۔ بس میں ہر وقت اللہ کے حکم کے مطابق کام میں لگی رہتی ہوں۔ پیاری بانو! اللہ میاں نے تم کو بھی بے کار نہیں پیدا کیا۔ کوئی نہ کوئی کام تمہارے لئے ضرور ہوگا۔ پر تم جانتی

نہیں۔ جاؤ اپنی امی سے پوچھو۔"

یہ کہہ کر بی پھُر پھُر نے ایک تنکا اور اٹھایا۔ پھُر سے اڑیں اور سامنے والے مکان میں گھس گئیں۔ اور پھر اسی طرح آتی جاتی رہیں۔ بانو دیر تک کھڑی رہی اور سوچتی رہی۔ اس سے ناامید ہو کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ سوچا، شاید کوئی بے کار بیٹھا ملے تو اسے گھیروں اور اس کے ساتھ کھیلوں۔

یہ سوچ کر بانو آگے بڑھی۔ آگے بڑھی تو اس نے بِھن بِھن بِھن بِھن کی آواز سنی۔ آواز کی طرف دیکھا تو سچ مچ بِھن بِھن بانو ایک طرف سے اڑتی ہوئی آئیں۔ بِھن بِھن کرتی اس کے پاس سے نکل گئیں اور ایک رسیلے پھل پر جا بیٹھیں۔ بانو نے سوچا۔ بِھن بِھن بانو ضرور میرے ساتھ کھیلیں گی۔ وہ آگے بڑھی، لیکن جیسے ہی پاس پہنچی۔ بِھن بِھن بانو بھنّا کر ایک طرف اُڑ گئیں۔ کچھ دیر بعد آئیں تو ایک کلی پر بیٹھ گئیں۔ بانو پھر ادھر بڑھی۔ لیکن جیسے ہی وہ پاس پہنچی بِھن بِھن بانو بِھنّا کر پھر ایک طرف اُڑ گئیں، اور پھر آئیں تو ایک پھول پر جا بیٹھیں۔

بِھن بِھن بانو کی یہ حرکت دیکھی تو بانو نے دور ہی سے کہا:

"بِھن بِھن بانو! تم اس وقت کسی کام میں تو ہو نہیں، یونہی ماری ماری پھر رہی ہو۔ کبھی اس پھل پر بیٹھتی ہو، کبھی اس پھول پر۔ آؤ میرے پاس، ہم تم

کھیلیں۔تم ڈرتی کیوں ہو، منّے کی طرح میں تمہیں ستاؤں گی نہیں۔ پھر کاٹ بھی تو لیتی ہو تم۔ اگر ستاؤں گی تو تم ڈنک مار دینا۔ جیسے اس دن تم نے منّے کے گال میں ڈنک مارا تھا۔ سچ مچ تمہارے ساتھ کھیلوں گی۔ اس وقت کھیلنے کے لئے مجھے کوئی نہیں ملتا۔ تم کیسی منی سی ہو، تمہاری آواز کیسی پیاری ہے۔ آؤ کوئی راگ ہی سناتی جاؤ۔''

''بانو بی! اللہ میاں نے مجھے ماری ماری پھرنے کے لئے نہیں پیدا کیا۔ اللہ میاں نے مجھے ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ میں دن بھر وہی کام کرتی ہوں۔ تم بڑی بھولی ہو۔ مجھے کبھی کسی پھل پر کبھی کسی پھول پر، کبھی یہاں، کبھی وہاں اڑتے بیٹھتے دیکھتی ہو تو سمجھتی ہو کہ یہ یوں ہی ماری ماری پھر رہی ہے۔ میں بے کار نہیں اڑتی پھرتی ہوں۔ میں تو اللہ میاں کے حکم سے پھلوں، پھولوں، کلیوں، پتّیوں اور نہ جانے کس کس چیز کا رس نکالتی پھرتی ہوں۔ میں اپنی دوسری بہنوں سے مل کر ایک چھتّہ بناتی ہوں۔ وہ چھتّہ جو پچھلے سال تمہارے نیم میں لگایا تھا۔ اچھا مسکرائیں تم۔ یاد آ گیا تم کو نا۔ ہاں، یاد کیوں نہ آیا ہو گا۔ تمہارے منّے نے ایک دن، میری کچھ بہنوں پر ڈھیلا چلا دیا تھا۔ تو پھر ایک نے بھنّا کر منّے کے گال پر ڈنک مارا تھا۔ تمہارا منّا خوب رویا تھا۔ یاد آیا! اچھا تو سنو، ویسا ہی چھتّہ اب کے ہم سب نے ایک دوسرے پیڑ میں لگایا ہے۔ میں اِدھر

اُدھر اچھی اچھی چیزوں کا رس چوس لیتی ہوں۔ بانو بی! بُرا مت ماننا، تمہاری طرح ہڑپ نہیں کر جاتی۔ میں تو وہ رس لے جا کر چھتّے میں جمع کر آتی ہوں۔ میری سب بہنیں ایسا ہی کرتی ہیں۔ کچھ بہنیں رس کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ یہی رس تو شہد بن جاتا ہے۔ سوچتی کیا ہو۔ شاید تم یہ سوچ رہی ہو کہ سب طرح کا رس شہد کیسے بن جاتا ہے۔ تو سنو! یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ یہ تو اللہ میاں کی حکمت ہے۔ تمہاری بکری دانہ گھاس کھاتی ہے۔ دودھ کیسے بن جاتا ہے۔ اللہ میاں کے سوا کون جانے یہ تو اسی کی حکمت ہے۔ مجھے تو اللہ میاں نے چھتّہ بنانے کی ترکیب بتا دی۔ میں چھتّہ بناتی ہوں۔ مجھے اللہ میاں نے رس جمع کرنے کا حکم دیا۔ میں رس جمع کرتی ہوں۔ مجھے اور میری بہنوں کو حکم دیا کہ اس کو چھتّے میں رکھیں۔ پھر تم یہ بھی تو دیکھتی ہو کہ یہ رس شہد بن جاتا ہے۔ اور چھتّے ہی سے تو موم نکلتا ہے۔ بی بی یہ سب اللہ میاں کی قدرت ہے۔ پھر یہ تو سوچو! یہ سب کس کام آتا ہے؟ کیسا مزہ لے لے کر کھاتی ہو تم۔ یاد ہے کہ نہیں جب تمہارے منّے کے دانت نکلنے کو تھے تو تمہاری امی اس کے مسوڑھوں میں شہد ہی تو لگاتی تھیں۔ اور سہاگے کے ساتھ ملا کر شہد ہی تو چٹاتی تھیں۔ ایسا اچھا شہد جمع کرنا اللہ میاں نے میرے ذمّے کیا ہے۔

"پیاری بانو! تم کو بھی اللہ میاں نے بے کار نہیں پیدا کیا۔ تمہارے لئے

بھی کوئی کام ضرور ہو گا۔ پر تم جانتی نہیں۔ جا کر اپنی امی سے پوچھو۔ وہ تم کو سب باتیں ٹھیک ٹھیک بتائیں گی۔''

یہ کہہ کر بھِن بھِن بانو تو اڑ گئیں۔ اور بیلے کے ایک پھول پر جا بیٹھیں اور اس سے رس لے کر اڑ گئیں۔ پھر آئیں، پھر کسی چیز کا رس لے کر اڑ گئیں۔ بھِن بھِن بانو یہی کرتی رہیں۔ اور بانو دیر تک کھڑی دیکھتی رہی۔ اب اس نے سوچا! اب کس کے پاس جاؤں۔ اور کس سے کھیلوں۔ یہاں تو جس کو دیکھو کام سے لگا ہے۔ وہ پھلواری سے نکل آئی۔ گھر کی طرف چلی۔ راستے میں بی کٹ کٹ ملیں۔ بانو نے ان سے بھی کھیلنے کو کہا۔ بی کٹ کٹ نے بھی یہی جواب دیا کہ فرصت نہیں۔ بڑا کام ہے۔ اب تو بانو بہت پریشان ہو گئی۔ دل میں کہا۔ ''ارے کسی کو بھی کھیلنے کی فرصت نہیں۔ سب کو اللہ میاں نے کسی نہ کسی کام کے لئے پیدا کیا۔ جو ہے چھوٹا بڑا ایک نہ ایک کام سے لگا ہے۔ اب چل کر میں بھی امی جان سے پوچھوں کہ مجھے اللہ میاں نے کس کام کے لئے پیدا کیا ہے اور پھر میں بالکل اسی طرح کام میں لگ جاؤں گی، جیسی اللہ میاں کی مرضی معلوم ہو گی۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد بانو بڑے کام کی لڑکی بنی۔

☆☆☆

رس گلّے

''پانچ بج گئے اور درزی ابھی تک نہیں آیا۔ کتنا جھوٹا ہے یہ درزی۔ اسے کیا، وہ کپڑا لے جا کر بیٹھ رہا۔ اب جسے پریشان ہونا ہو، وہ ہو، اس کا کیا بگڑتا ہے۔''

شوکت کی ماں غصے میں اس طرح بڑبڑا رہی تھیں۔ شوکت ایک طرف بکری کے کان پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ اس نے امی کو غصے میں بڑبڑاتے سنا تو ماں کے پاس آیا۔ بولا ''کیا بات ہے امی جان! آپ اتنا پریشان کیوں ہیں؟''

ماں نے بتایا کہ ''درزی آج صبح کپڑا لے گیا تھا۔ وعدہ کیا تھا کہ چار بجے ضرور ضرور سوٹ تیار کر کے دے دے گا۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ٹھیک چھ بجے ایک شادی میں جانا ہے۔ مگر اب تک نہیں آیا۔ ہائے اللہ! اب میں کیا کروں؟''

شوکت نے یہ سنا تو بولا۔ ''امی جان! میں دوڑ کر لے آؤں۔ تیار تو کر دیا ہو گا درزی نے!''

''بیٹا! کیا تم اس کی دکان کا پتہ جانتے ہو؟''

''جی ہاں امی جان! میں کئی بار ابا کے ساتھ جا چکا ہوں۔''

''تو پھر میرے پیارے بیٹے! جا دوڑ کر لے آ، میں تجھے انعام دوں گی۔''

''کیا دیں گی آپ امی جان؟''

''دو آنے پیسے دوں گی۔''

''سچ امی جان!''

''بالکل سچ بیٹا! بس دیر نہ کرو، اب جاؤ بھی۔''

''تو امی جان! مجھے دو آنے پیسے دے دیجئے۔''

''میرا سوٹ جا کر لے آ، پھر لے لینا بیٹے!''

''امی اس وقت شبراتی حلوائی رس گلے بنا رہا ہو گا، بس لگے ہاتھوں رس گلّے بھی کھاتا آؤں گا۔''

''ارے تو پھر دیر کرو گے تم۔ رس گلّے بعد میں کھا لینا بیٹے! مجھے بڑی جلدی ہے۔''

''اچھی بات ہے امی! تو دو آنے پیسے دے دیجئے پہلے۔''

''اچھا لو لیکن دیکھو، رس گلّے پہلے ہی نہ کھانے لگنا۔''

''نہیں امی ہرگز نہیں۔ پہلے آپ کو سوٹ لا کر دے دوں گا۔ تب رس گلّے کھانے جاؤں گا۔''

شوکت نے ماں سے دو آنے لئے اور درزی کی دکان کی طرف بھاگا۔ وہ سیدھا درزی کی دکان پر پہنچا۔ درزی نے شوکت کو آتے دیکھا تو دور ہی سے بولا۔ ''آؤ میاں! بس تیار ہے سوٹ۔ بس استری کرنا باقی ہے۔ بس ابھی دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر درزی نے جھٹ جھٹ دو چار ہاتھ مارے استری کی اور سوٹ کاغذ کے ایک بڑے لفافے میں رکھ کر شوکت کو دے دیا۔ شوکت لفافہ لے کر واپس ہوا۔ راستے میں ایک دکان کی گھڑی میں دیکھا۔ چھ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔

''ابھی تو بیس منٹ ہیں۔'' اس نے دل میں کہا۔ ''زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ رس گلّے لینے اور کھانے میں لگیں گے۔ پندرہ منٹ باقی رہ جائیں گے۔

وہاں سے تو بس دو تین منٹ کا راستہ ہے میرے گھر کا۔"

دل ہی دل میں یہ حساب لگایا اور شبراتی حلوائی کی دکان کی طرف مڑ گیا۔ دکان پر پہنچا تو دیکھا کہ گرم گرم رس گلّے کڑھائی سے نکل رہے ہیں۔ پھر کیا تھا وہ دکان کے اندر پہنچا۔ لفافہ رکھا اور رس گلّے منگا کر کھانے لگا۔ رس گلّے کھا کر پانی پیا۔ اور جھٹ اٹھا۔ لپک کر لفافہ لیا اور گھر کی طرف بھاگا۔

گھر ماں راستہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ پونے چھ بجے ہیں۔ اور شوکت آ گیا۔ وہ بہت خوش ہوئیں جھٹ سے لفافہ لیا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں زنانہ سوٹ کے بدلے مردانہ سوٹ رکھا تھا۔

"ارے یہ کیا لے آیا شوکت!"

"کیوں کیا ہے امی جان!" شوکت نے ماں کو دیکھا۔ اور پھر لفافے میں کوٹ پتلون دیکھ کر وہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ پھر بولا۔ "درزی نے تو میرے سامنے آپ کا سوٹ لفافہ میں رکھا تھا۔ یہ کوٹ پتلون کیسے ہو گیا؟"

"اچھا یہ بتا تو راستے میں رکا تو نہیں؟"

"نہیں امی کہیں نہیں رکا میں!" شوکت نے جھوٹ بول تو دیا لیکن اُسے

شبراتی کی دکان یاد آ گئی۔ وہ سمجھ گیا۔ ایک آدمی اور ایسا ہی تھیلا لئے دکان پر آیا تھا۔ بس اس سے بدل گیا اب اس نے ماں سے بات بنائی۔

''امی جان معلوم ہوتا ہے، درزی کی دکان پر لفافہ بدل گیا۔ اب کیا ہو؟''

''بیٹے دوڑ کر جاؤ۔ ابھی دس منٹ باقی ہیں۔ تم جا کر واپس آ سکتے ہو۔''

''تو پھر اب کیا انعام ملے گا امی؟''

''میں تم کو بھی شادی میں لے چلوں گی۔''

''ارے وا! پہلے کیوں نہ کہا تھا، میں ابھی گیا اور ابھی لایا۔''

شوکت ماں کو دکھانے کے لئے درزی کی دکان کی طرف چلا۔ لیکن دوسری ہی گلی سے شبراتی کی دکان کی طرف بھاگا۔ شبراتی کی دکان پر پہنچا۔ دوڑ کر دکان میں گھس گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کوئی لفافہ نہ تھا۔ شبراتی نے شوکت کی گھبراہٹ دیکھی تو سمجھ گیا۔ مسکرا کر بولا۔ ''میاں شوکت! تم جلدی میں دوسرے آدمی کا لفافہ لے کر چل دیئے۔ وہ صاحب وہ بیٹھے ہیں۔ انھیں ان کا لفافہ دے دو۔''

''اور میرا لفافہ؟'' شوکت نے پوچھا۔ شبراتی نے جواب دیا۔ ''کہ

تمہارا لفافہ میں نے نوکر کے ہاتھ تمہارے گھر بھیج دیا ہے۔ وہ تو تمہارے گھر پہنچ گیا ہوگا۔''

یہ سنا تو شوکت الٹے پاؤں پھرا۔ یہاں جب شبراتی کا نوکر لفافہ لے کر شوکت کی ماں کے پاس پہنچا تو اس نے بتایا کہ شوکت میاں رس گلّے کھانے دکان پر گئے تھے۔ پھر جلدی میں لفافہ بدل لائے۔ مہربانی کر کے وہ لفافہ دے دیجئے اور اپنا لے لیجئے۔

شوکت کی ماں شوکت کے جھوٹ کو سمجھ گئیں۔ انھیں بڑا بُرا لگا۔ انھوں نے نوکر سے کہا کہ میں نے لفافہ واپس کرنے شوکت کو بھیجا ہے۔ تم واپس جاؤ۔ ادھر نوکر چلا۔ ادھر انھوں نے دل میں طے کیا کہ شوکت نے دھوکا دیا ہے تو اسے اس کا پھل ملنا چاہئے۔ انھوں نے جھٹ سوٹ پہنا اور اسی وقت شادی میں شرکت کے لئے روانہ ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد ہی شوکت واپس آ گیا تو دیکھا کہ امی جا چکی ہیں۔ وہ اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔ دل ہی دل میں بولا۔ ''آج تو رس گلّے بڑے مہنگے پڑے۔''

☆☆☆

شیر نے ہار مان لی

ایک جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ اسی جنگل میں اور بھی بہت سے جانور رہتے تھے۔ اس میں کچھ جنگلی سور بھی تھے۔ شیر سب جانوروں کا بادشاہ تھا۔ سارے جانور شیر سے ڈرتے تھے۔ ایک دن ندی کے کنارے ایک جنگلی سور پانی پی رہا تھا۔ اسی وقت شیر بھی پانی پینے کے لئے آیا۔ سور نے پانی پینا چھوڑ دیا۔ ڈر کے مارے پتھر کی طرح کھڑا ہو گیا۔ شیر نے الگ ہٹ کر پانی پیا اور واپس جانے لگا۔ اس نے سور پر حملہ نہیں کیا۔ اسے واپس جاتے ہوئے دیکھ کر سور کی جان میں جان آئی۔ اس وقت اس نے اپنے دل میں سوچا۔ ”میں تو سمجھتا تھا کہ شیر بہت خونخوار ہوتا ہے۔ لیکن یہ تو مجھ سے ڈر گیا اور چپ چاپ واپس جا رہا ہے۔ کیوں نہ اسی موقع پر شیر سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ جنگل کے بادشاہ کا خاتمہ ہی ہو جائے گا۔ اسے ہرا کر میں خود بادشاہ بن جاؤں گا۔ یہ سب سوچ کر سور نے شیر کو للکارا۔

”اے ڈرپوک شیر! میں آج تیرا کام تمام کر دینا چاہتا ہوں۔“

شیر ہنسا اور بولا۔ ”اے سور! تجھ کو دھوکا ہو گیا ہے کہ میں ڈرپوک ہوں۔

اصل میں میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ میں صرف پانی پینے آیا تھا۔ تیرا شکار نہیں کیا تو سمجھتا ہے کہ میں ڈر گیا ہوں۔''

جنگلی سور اکڑتا ہوا بولا۔ ''مقابلے کی ہمّت نہیں ہے تو پیٹ بھرا ہونے کا بہانہ کرتے ہو۔''

شیر کو جنگلی سور کی بات سن کر اس پر غصہ بھی آیا اور رحم بھی۔ جب سور نہیں مانا تو شیر نے کہا:

''اچھا تو آج سے ساتویں دن یہیں آجانا۔ یہیں پر ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔'' شیر نے اتنا وقت اس لئے دیا تھا کہ اتنے دن میں سور کو ضرور عقل آجائے گی۔ لیکن سور تو گھمنڈ سے چوُر تھا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور غرور سے بولا:

''آج میں نے شیر کو للکار دیا۔ اب ساتویں دن طے ہوگا کہ جنگل کا بادشاہ کون ہے؟''

جنگلی سور کے ساتھیوں نے سنا تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ انھوں نے سور کو بہت سمجھایا بجھایا۔ تب اس کے ہوش ٹھکانے آئے۔ اب سور کا ڈر کے مارے بُرا حال تھا۔ اس نے ساتھیوں سے پوچھا:

''اب کیا کیا جائے؟ اگر میں مقابلہ کرنے نہیں جاؤں گا تو شیر مجھے یہاں آ

کر مار ڈالے گا۔'' سارے سور سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر بعد ایک چالاک سور نے کہا۔ ''میں ترکیب بتاتا ہوں۔ شیر صفائی کو بہت پسند کرتا ہے۔ وہ گندگی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ تم ساتویں دن اپنے پورے جسم میں گندگی لگا لینا، جب شیر تم پر حملہ کرے گا تو گندگی اس کے پنجے میں لگ جائے گی۔ شیر ضرور اپنا پنجہ صاف کرنا چاہے گا۔ جب تک وہ اپنا پنجہ صاف کرے تم اس پر حملہ کردینا۔''

جنگلی سور کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ ساتویں دن جب وہ پہنچا تو گندگی بدبو چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ شیر دہاڑا۔ سور کو تعجب ہوا کہ شیر حملہ کیوں نہیں کر رہا ہے؟ کچھ ہمت کر کے سور نے شیر سے کہا:

شیر! آؤ مقابلہ کرو۔''

شیر نے کہا۔ ''دیکھو سور! میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں۔ تمہارا مقابلہ کرسکتا ہوں۔ تم سے لڑ سکتا ہوں۔ میں چاہوں تو تمہیں ایک منٹ میں چیر پھاڑ کر رکھ دوں۔ لیکن میں تمہاری گندگی سے نہیں لڑ سکتا۔ تمہارے جسم کی بدبو کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔'' یہ کہہ کر شیر بغیر لڑے واپس چلا گیا۔



جیسے کو تیسا

ایک بار سڑک پر ایک آدمی آیا۔ وہ ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ بہت دیر تک سڑک پر اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرتا رہا۔ وہ اس طرح زمین پر کچھ تلاش کر رہا تھا جیسے اس کی کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہو۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ آخر ایک آدمی اس کے پاس آیا اور بولا۔

''بھیّا اتنی دیر سے کیا تلاش کر رہے ہو؟''

''بھائی کیا بتاؤں میری سونے کی انگوٹھی یہاں کھو گئی ہے۔ اسی کو ڈھونڈ رہا ہوں۔'' پہلے آدمی نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''بھائی وہ انگوٹھی کتنی قیمت کی رہی ہوگی؟'' دوسرے آدمی نے پوچھا۔

''دو سو روپئے کی ہے۔'' پہلے آدمی نے اسی طرح زمین پر تلاش کرتے ہوئے کہا۔

''بھئی تو ایسا کرو، ایک سو روپئے تم مجھ سے لے لو اور تم چھوڑ دو۔ میں اس کی تلاش کر لوں گا اور اگر نہیں ملی تو سمجھو میرا گھاٹا ہوا۔''

دوسرے آدمی نے پہلے آدمی سے کہا:

''ٹھیک ہے بھائی! لاؤ ایک سو روپئے۔ پہلے آدمی نے دوسرے آدمی سے

کہا۔ دوسرے آدمی نے فوراً سو روپئے کا نوٹ نکال کر دیا۔ انگوٹھی والا آدمی سو کا نوٹ لے کر خوش خوش چلا گیا۔ اس کے جانے کے فوراً بعد دوسرے آدمی نے ایک پتھر کے نیچے سے انگوٹھی نکالی۔ جس کو وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ اس کو دو سو روپئے کی انگوٹھی ہاتھ لگی ہے۔ وہ اس انگوٹھی کو لے کر جوہری کی دکان پر پہنچا۔ جوہری کو انگوٹھی دیتے ہوئے کہا:

''جناب! آپ اس انگوٹھی کی کیا قیمت دیتے ہیں؟''

جوہری نے انگوٹھی دیکھتے ہوئے کہا۔ ''واہ بھئی واہ! مجھے ہی بے وقوف بنانے چلے ہو۔ پیتل کی انگوٹھی پر سونے کا پالش کر کے لائے ہو دھوکا دینے۔'' یہ کہہ کر اس نے اس آدمی کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ دھوکا دینے کے جرم میں اس کو جیل کی سزا ہوگئی۔

جب وہ جیل پہنچا تو اس نے انگوٹھی والے آدمی کو وہاں پہلے سے موجود پایا۔ اس نے پوچھا۔ ''تم یہاں کیسے آ گئے؟'' ''واہ بھئی! تم نے بھی مجھے خوب بے وقوف بنایا ہے۔ تم نے جو نوٹ دیا تھا وہ تو جعلی تھا۔ میں اسے لے کر ایک دکان میں گیا اور دھوکا دینے کے جرم میں مجھے سزا ہوگئی۔''

''بھائی! تم نے بھی تو پیتل کی انگوٹھی پر سونے کی پالش کر دی تھی۔''

☆☆☆